ڈاکٹر محمد سلیمان

تحریک ختم نبوت کے ابتدائی دو سال

(۱۸۹۱ء ـــ ۱۸۹۲ء)

مرزا غلام احمد ۱۸۳۷ء میں قادیان میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں ان کے عقائد وہی تھے جیسے دیگر مسلمانوں کے۔ برصغیر ان کی کتاب "براہین احمدیہ" کے ذریعے ان سے متعارف ہوا جو ۱۸۸۰ء میں انھوں نے عیسائیت کے رد میں تصنیف کرکے شائع کی تھی۔ مولانا محمد حسین بٹالوی جماعت اہل حدیث کے ایک نامور عالم تھے اور سرسید احمد خاں کے رسالے تہذیب الاخلاق کی طرح کا ایک رسالہ شائع کرتے تھے جس کا نام "اشاعۃ السنہ" تھا۔ مولانا بٹالوی نے مرزا غلام احمد کی براہین احمدیہ پر اپنے رسالے میں تقریظ لکھ کر شائع کی تھی اور عیسائیت کے رد میں اسے ایک معرکۃ الآرا کتاب قرار دیا تھا۔ اس وقت تک مرزا صاحب کے عقائد عام مسلمانوں جیسے تھے۔ لیکن بعد میں انھوں نے کئی تبدیلیاں کھائیں جو مختصراً درج ذیل ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد کو ان کے رفیق خاص حکیم نور الدین نے (جو بعد میں مرزا صاحب کے جانشین بنے) مشورہ دیا تھا کہ اگر وہ مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کریں تو قوم ان کا خیر مقدم کرے گی۔ جیسا کہ مرزا صاحب نے ۲۴ جنوری ۱۸۹۱ء کو حکیم صاحب کے نام اپنے خط میں تحریر کیا: "جو کچھ آں مخدوم نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر دمشقی حدیث کے مصداق کو علیحدہ چھوڑ کر ایک مثیل مسیح کا دعویٰ کیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔ دراصل اس عاجز کو مثیل مسیح بننے کی حاجت نہیں ہے"[۱]

لیکن اس کے تھوڑا ہی عرصہ بعد مرزا صاحب نے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کر دیا جیسا کہ ان کے اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت مؤلفہ میر قاسم علی قادیانی جلد دوم سے ظاہر ہے۔ انھوں نے لکھا "مجھے مسیح ابن مریم ہونے کا

---

[۱] مکتوبات احمدیہ۔ مکتوب محررہ ۲۴ جنوری ۱۸۹۱ء بحوالہ مہر منیر از فیض احمد فیض لاہور ۱۹۷۳ء، ص ۱۶۷

دعویٰ نہیں اور نہ میں تناسخ کا قائل ہوں۔ بلکہ مجھے تو فقط مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ ہے۔[۵]

مرزا غلام احمد اپنے اس دعویٰ مثیلِ مسیح پر بھی زیادہ عرصہ قائم نہ رہے بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھے اور اپنی تین تصنیفات فتح الاسلام، توضیح مرام اور ازالہ اوہام میں حیاتِ مسیح کے عقیدے کو غلط بتا کر وفاتِ مسیح کا اعلان کر دیا اور پھر اپنے مسیح موعود اور مہدی موعود ہونے کا اعلان کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۸۹۱ء کا ہے۔ اس دعوے پر مرزا صاحب تقریباً دس سال قائم رہے۔ پھر ختم نبوت کے مسلمہ اسلامی نظریے کو غلط قرار دے کر نومبر ۱۹۰۱ء میں اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔[۶]

درج بالا صورت حال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد کو ۱۸۹۰ء کے آخر تک ظاہری لحاظ سے مسلمان سمجھا جاتا تھا۔ ۱۸۹۱ء کے آغاز میں انھوں نے دائرۂ مسیحیت میں قدم رکھ دیا تو صورتِ حال بدل گئی اور ان کے عقائد کا زیر بحث آنا لازمی ہو گیا۔ بحث و نظر کا یہی آغاز تحریک ختمِ نبوت کا نقطۂ آغاز ہے، جس کی تفصیلات (جو ایک گم شدہ اوراق کی حیثیت رکھتی ہیں) اس مقالے میں نذرِ قارئین کرنا مقصود ہے۔

ہم اپنی گزارشات کا آغاز مرزا غلام احمد قادیانی کے خطوط کے مجموعے یعنی مکتوبات احمدیہ کی جلد چہارم اور مولانا محمد حسین بٹالوی کے ماہنامہ اشاعۃ السنہ کی بارھویں جلد کے بارھویں شمارے سے کرتے ہیں، جن میں مولانا بٹالوی اور مرزا غلام احمد کی خط و کتابت موجود ہے۔ سلسلۂ خط و کتابت کا آغاز مولانا بٹالوی کے خط سے ہوتا ہے جو انھوں نے ۳۱ جنوری ۱۸۹۱ء کو لاہور سے رقم فرمایا تھا۔ یہ خط درج ذیل ہے۔

"لاہور۔ ۳۱ جنوری ۱۸۹۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی جناب مرزا غلام احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ و عافاہ

السلام علیکم۔ آپ کا رسالہ فتح المرام امرتسر میں چھپ رہا تھا کہ میں اتفاقاً امرتسر پہنچا۔ میں نے اس رسالہ کا پروف مطبع ریاض ہند سے منگوا کر دیکھا اور پڑھوا کر سنا۔ اس رسالہ کے دیکھنے اور سننے سے مجھے یہ سمجھ آیا کہ آپ نے اس میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ مسیح موعود جس کے قیامت سے پہلے آنے کا خدا تعالیٰ نے اپنی کلام

---

[۵] مہر منیر، ص ۱۶۷

[۶] ایضاً، ص ۱۷۱

ہیں اشارۃً اور رسول اللہ نے اپنی کلام مبارک میں صراحۃً وعدہ دیا ہے وہ آپ ہی ہیں جو مسیح ابن مریم کہلاتے ہیں...
اگر اس دعوی سے کچھ اور مراد ہے تو اس کی توضیح کریں ۔

محمد حسین[4]

مرزا غلام احمد نے اس کا جواب یوں لکھا ۔

" مخدومی اخویم السلام علیکم

آپ کے استفسار کے جواب میں صرف ہاں کافی سمجھتا ہوں ۔

والسلام خاکسار غلام احمد

۵ فروری ۱۸۹۱ء[5]

مولانا بٹالوی نے جواباً تحریر فرمایا :

" مکرمی جناب مرزا صاحب السلام علیکم

آپ کا کارڈ میں نے وصول پایا ۔ مجھے کمال افسوس ہے کہ مجھے آپ کے اس دعوے کا کہ میں مسیح موعود ہوں خلاف مشتہر کرنا پڑا ۔ اس الہام کو آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں تو خدا کی جناب میں دعا کریں کہ وہ مجھے اس خلاف سے روکے ۔

آپ کا ناصح محمد حسین[6]

مرزا غلام احمد نے اس کا جواب یوں دیا :

" اگرچہ آپ سے استعجال کی شکایت ہے مگر آپ کی نیت سے مجھے حسن ظن ہے اور آپ کو زمانۂ حال کے علما اگر آپ ناراض نہ ہوں تو بعض علمی جدوجہد کے کاموں کے لحاظ سے مولوی نذیر حسین[57] سے بھی بہتر سمجھتا

---

[4] اشاعۃ السنہ ، ج ۱۲ شمارہ ۱۲ ۔ ص ۵-۳۵۴

[5] ایضاً ، ص ۳۵۶ [6] ایضاً

[57] سید نذیر حسین محدث دہلوی (ف ۱۹۰۰ء) شاہ محمد اسحاق کے شاگرد اور شمالی ہند کے اکثر علمائے اہل حدیث کے ہیں اور اسی وجہ سے آپ کو شیخ الکل بھی کہتے ہیں۔ (شیخ اکرام ۔ موج کوثر ، لاہور ۔ ص ۶۸) ۔

ہوں . . .

غلام احمد"[۵۸]

مولانا بٹالوی نے جواباً لکھا کہ میں اس مدح سے سخت ناراض ہوں ۔ مولانا شیخ الکل کے معلومات سے میری معلومات کو وہ نسبت ہے جو بادشاہ سے ایک گداگر کو ۔ اس کے بعد لکھا: " دہلی کے خط سے معلوم ہوا کہ مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث کے پاس آپ کے رسائل نہیں پہنچے، مناسب ہے کہ آپ ان کے پاس رسائل بھیج دیں ۔ حکیم صاحب کے سپرد یہ امر نہ کریں، وہ ان لوگوں کے پاس رسائل نہ بھیجیں گے جن کو وہ اپنے مذاق کے موافق نہیں سمجھتے ۔ اس امر کی تصدیق چاہیں تو ان سے ان لوگوں کی فہرست طلب کریں جن کے نام انھوں نے رسائل روانہ کیے ہیں ۔"[۵۹]

یہ خط لاہور سے ۱۴ فروری ۱۸۹۱ء کو لکھا گیا اور اس میں مرزا صاحب سے ان کے عقائد پر بحث اور گفتگو کی پیش کش بھی کی گئی تھی، اس لیے اس کے جواب میں طویل سوچ بچار کے بعد مرزا غلام احمد نے ۸ مارچ ۱۸۹۱ء کو خط لکھا ۔

" مجمع بحث میں وہ الہامی گروہ بھی ضرور شامل ہونا چاہیے جنھوں نے اپنے الہامات کے ذریعے اس عاجز کو جہنمی ٹھہرایا ہے اور ایسا کافر جو ہدایت پذیر نہیں ہو سکتا اور مباہلہ کی درخواست کی ہے ۔ الہام کی رو سے کافر و ملحد ٹھہرانے والے تو مولوی عبدالرحمن لکھوی ہیں اور جہنمی ٹھہرانے والے میاں عبدالحق غزنوی ہیں جن کے الہامات کے مصدق و پیرو عبدالجبار ہیں ۔ سو ان تینوں کا جلسۂ بحث میں آنا ضروری ہے ۔"[۶۰]

مرزا غلام احمد کے اس خط کا جواب مولانا بٹالوی نے لاہور سے ۹ مارچ ۱۸۹۱ کو لکھا یعنی مرزا غلام احمد کا خط ملتے ہی اسی وقت لکھ دیا، معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالجبار غزنوی اس وقت لاہور میں تھے، جیسا کہ مرزا غلام احمد کے اگلے خط سے ظاہر ہوگا ۔ مولانا عبدالحق غزنوی اور مولانا عبدالرحمن لکھوی سے جو لاہور سے باہر مختلف مقامات پر رہتے تھے، رابطہ پیدا کرنے میں دیر ہو جانے کے اندیشے سے مولانا بٹالوی نے لکھا کہ :

---

۵۸ اشاعۃ السنہ، ج ۱۲، شمارہ ۱۲، ص ۳۵۶

۵۹ ایضاً، ص ۳۶۷ ۶۰ ایضاً، ص ۳۷۰ ۔

" یا تو آپ میرے پاس چلے آئیں یا پھر مجھے لکھیے ، میں آپ کے پاس آجاتا ہوں اور بحث کے لیے اکیلا ہی تیار رہوں ۔"

اس کے جواب میں مرزا غلام احمد نے جو خط لکھا وہ اس سلسلے کا آخری خط ہے ۔ ملاحظہ فرمایئے :

عنایت نامہ پہنچا ۔ اس عاجز کے لیے بڑی مشکل کی بات یہ ہے کہ طبیعت اکثر دفعہ ناگہانی طور پر ایسی علیل ہو جاتی ہے کہ موت سامنے نظر آتی ہے اور کچھ کچھ علامت تو دن رات شامل حال ہے اگر زیادہ گفتگو کروں تو وہی دورہ شروع ہو جاتا ہے ، اگر زیادہ فکر کروں تو وہی دورہ شامل حال ہے ۔ چونکہ آپ کا آخری خط آیا ، معلوم ہوتا تھا کہ گویا مولوی عبد الجبار صاحب کی شمولیت سے لکھا گیا ہے ، اس لیے جواب اس طرز سے لکھا گیا تھا ۔ یہ عاجز غلبۂ مرض سے بالکل نکما ہو رہا ہے اور طاقت کہاں ہے کہ مباحث تقریری یا تحریری شروع کروں ، محض خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ تینوں رسائل لکھے گئے[11] اور وہ بھی اس طرح کہ دوسرا شخص اس عاجز کی تقریر سن کر لکھتا گیا اور نہایت کم اتفاق ہوا کہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا ہو ۔ اتنی فرصت نہیں ہوتی جو عبارت کو عمدگی سے درست کیا جاوے ۔ آپ کی معلومات حدیث میں بہت وسیع ہیں ۔ یہ عاجز ایک امی اور جاہل ہے ۔ نہ عبادت ہے نہ ریاضت ، نہ علم نہ لیاقت ، غرض کچھ بھی چیز نہیں ۔ خدا کی طرف سے ایک امر تھا اور قطعی اور یقینی تھا ، اس عاجز نے پہنچا دیا ۔ ماننا نہ ماننا اپنی رائے اور سمجھ پر موقوف ہے ..... غلام احمد[12]

مرزا غلام احمد کا یہ خط مکتوبات احمدیہ میں بھی موجود ہے ۔ ملاحظہ فرمایئے : " چونکہ آپ کا آخری خط آیا ، معلوم ہوتا تھا کہ گویا بشمولیت مولوی عبد الجبار لکھا گیا ہے اس لیے جواب اس طرح سے لکھا گیا تھا ۔ یہ عاجز غلبۂ مرض سے بالکل نکما ہو رہا ہے ۔ یہ طاقت کہاں کہ مباحث تقریری یا تحریری شروع کروں ... اور آپ کے معلومات حدیث میں بہت وسیع ہیں ۔ یہ عاجز ایک اُمّی اور جاہل آدمی ہے ۔ نہ عبادت نہ ریاضت ، نہ علم نہ لیاقت ۔"[13]

---

[11] شاید ان سے مراد فتح الاسلام ، توضیح مرام اور ازالہ اوہام نامی کتابیں مراد ہیں ۔

[12] اشاعۃ السنہ ج ۱۲ ، شمارہ ۱۲ ۔ ص ۵ ۔ ۳۷۳

[13] مکتوبات احمدیہ ، ج ۴ ، ص ۹

اس خط کا جواب مولانا بٹالوی نے ۱۳ مارچ ۱۸۹۱ء کو لاہور سے دیا۔ لیکن اب مرزا غلام احمد دامن چھڑا چکے تھے۔ خود مکتوباتِ احمدیہ کا مرتب لکھتا ہے "اس کارڈ کے بعد حضرت مسیح موعود نے اس سلسلہ میں خط وکتابت کو بند کر دیا تھا، اس لیے کہ مولوی محمد حسین صاحب اصل مطلب کی طرف نہ آتے تھے۔ آپ نے اتمام حجت کے لیے ۲۰ مئی ۱۸۹۱ء کو علمائے لدھیانہ[۱۴] کو مخاطب کیا اور اس میں مولوی محمد حسین صاحب کو مخاطب فرمایا۔ مولوی محمد حسین صاحب نے مولوی محمد حسن کو آڑ بنا کر پھر خط وکتابت کا سلسلہ شروع کیا۔ ہر چند وہ خطوط مولوی محمد حسن صاحب کے ہاتھ کے تھے لیکن دراصل ان کی تہہ میں مولوی محمد حسین کا ہاتھ اور قلم تھا۔"[۱۵]

درج بالا خطوط کو غور سے پڑھنے والا بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اگر اصل مطلب سے مراد یہ ہے کہ گفتگو مابین فریقین ہو، مجلس منعقد ہو، کوئی خاص موضوع ہو، تو مولانا بٹالوی نے یہی فرمایا ہے، جب کہ مرزا صاحب اپنی امراض اور جہالت کا واسطہ دے کر ان سے ہٹ گئے ہیں اور یہ تک نہیں لکھ کہ صحت مند ہونے کے بعد دیکھا جائے گا، حالانکہ انہی دنوں تین کتابوں کی تصنیف کا ذکر کر دیا ہے۔

علمائے لدھیانہ سے ہونے والی اس خط وکتابت کے بعد مرزا غلام احمد نے ایک اور محاذ منتخب کیا اور دہلی میں جا پہنچے ۔ ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو انھوں نے وہاں سے ایک اشتہار شائع کیا جس کے مخاطب سید نذیر حسین دہلوی اور ان کے ایک شاگرد مولانا عبدالحق صاحب تفسیر حقانی تھے۔ اس اشتہار میں مناظرے کا چیلنج دیا تھا، جب اس چیلنج کو مذکورہ حضرات کے علاوہ دیگر کئی علما نے بھی قبول فرما لیا تو مرزا غلام احمد نے سوچا کہ وہ تو دہلی میں اس طرح کی اشتہار بازی کر کے بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ بیٹھے ہیں۔ اس پر انھوں نے جوابی چیلنج کرنے والوں کے گھروں پر جا کر انھیں میدان سے ہٹ جانے کی ترغیب دینا شروع کی۔ مثلاً آپ

---

[۱۴] علمائے لدھیانہ سے مولانا محمد حسن رئیس لدھیانہ، مولانا محمد لدھیانوی اور مولانا عبدالعزیز لدھیانوی مراد ہیں۔

[۱۵] مکتوباتِ احمدیہ، ج ۴، بر حاشیہ ص ۹ - یہ خطوط بھی مکتوبات احمدیہ کی چوتھی جلد میں موجود نہیں جو صرف مولانا محمد حسین بٹالوی کی جانب لکھے جانے والے خطوط پر مشتمل ہے۔ ایسے ہی خط میں جو ۲۲ صفحات میں ہے مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ "... فتنہ مخالفت ہر جگہ بڑھتا جاتا ہے اور مولوی محمد حسین صاحب جس جگہ پہنچتے ہیں یہی وعظ شروع کی ہے کہ یہ شخص ملحد دین سے فارغ اور کذاب اور دجال ہے۔"

مولانا عبدالحق مؤلف تفسیر حقانی کے گھر گئے اور کہا کہ آپ کا نام تو غلطی سے اشتہار میں آگیا ہے، میں آپ مقابلہ نہیں کرنا چاہتا، بلکہ میرا مقابلہ تو سید نذیر حسین سے ہے۔ مولانا حقانی نے فرمایا کہ اگر آپ بذریعہ اشتہار مجھ سے مباحثہ سے دست بردار ہو جائیں تو میں بھی ایسا ہی کر دوں گا۔ اس پر مرزا غلام احمد نے ۶ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو یہ اشتہار شائع کیا۔

"اشتہار بمقابلہ مولوی نذیر حسین صاحب سرگروہ اہل حدیث

چونکہ مولوی سید نذیر حسین صاحب نے جو کہ موحدین کے سرگروہ ہیں، اس عاجز کو بوجہ اعتقاد وفات مسیح ابن مریم ملحد قرار دیا ہے اور عوام کو شک و شبہات میں ڈالنا چاہا ہے اور حق یہ ہے کہ وہ آپ ہی اعتقاد حیات مسیح میں قرآن کریم اور احادیث نبویہ کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اول اہل حدیث کا دعویٰ کر کے اپنے بھائیوں حنفیوں کو بدعتی قرار دیا اور امام بزرگ حضرت ابوحنیفہ پر یہ الزام لگایا کہ ان کو حدیثیں نہیں ملی تھیں اور وہ اکثر احادیث نبویہ سے بے خبر ہی رہے تھے اور اب باوجود دعویٰ اتباع قرآن و حدیث کے حضرت مسیح ابن مریم کی حیات کے قائل ہیں، وھذا اعجب العجائب۔ اگر عوام میں کوئی ایسا کہتا اور خلاف قال اللہ وقال الرسول دعویٰ کرتا تو کچھ افسوس کی جگہ نہ تھی، لیکن یہی لوگ جو دن رات درس قرآن و حدیث جاری رکھتے ہیں، اگر ایسا بے اصل دعویٰ کریں تو ان کی علمیت اور قرآن دانی اور حدیث دانی پر سخت افسوس آتا ہے۔ یہ بات کسی متنفس پر پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ باآواز بلند پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ فی الواقع حضرت مسیح وفات پا چکے ہیں۔ مگر جن لوگوں کو عاقبت کا اندیشہ نہیں، خدا تعالیٰ کا کچھ خوف نہیں، وہ تعصب کو مضبوط پکڑ کر قرآن اور حدیث کو پس پشت ڈالتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اس امت پر رحم فرمائے۔ لوگوں نے کیسے قرآن اور حدیث کو چھوڑ دیا ہے اور اس عاجز نے اشتہار ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں حضرت مولوی ابو محمد عبدالحق صاحب کا نام درج کیا تھا، مگر عند الملاقات اور باہم گفتگو کرنے سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب موصوف ایک گوشہ گزین آدمی ہیں اور ایسے جلسوں سے جن میں عوام کے نفاق و شقاق کا اندیشہ ہے طبعاً کارہ ہیں۔ اور اپنے کام تفسیر قرآن میں مشغول اور شرائط اشتہار کے پورے کرنے میں مجبور ہیں کیونکہ گوشہ نشین ہیں۔ حکام سے میل ملاقات نہیں رکھتے اور بباعث درویشانہ صفت کے ایسی ملاقاتوں سے کراہیت بھی رکھتے ہیں۔ لیکن مولوی نذیر حسین اور ان کے شاگرد بٹالوی صاحب جواب دہلی میں موجود ہیں، ان کاموں میں اول درجہ کا جوش رکھتے ہیں . . .

لہذا اشتہار دیا جاتا ہے کہ اگر ہر دو مولوی صاحب موصوف حضرت مسیح ابن مریم کو زندہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں اور قرآن کریم و احادیث صحیحہ سے اس کی زندگی ثابت کر سکتے ہیں تو میرے ساتھ بپابندی شرائط مندرجہ اشتہار ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء بالاتفاق بحث کریں اور اگر انھوں نے بقبول اشتہار ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء بحث کے لیے مستعدی ظاہر نہ کی اور پوچ اور بے اصل بہانوں سے ٹال دیا تو سمجھا جائے گا کہ انھوں نے مسیح ابن مریم کی وفات کو قبول کر لیا ہے"... الی آخرہ

المشتہر

مرزا غلام احمد از دہلی بلی ماران کوٹھی نواب لوہارو

۶ اکتوبر ۱۸۹۱ء [۱۶]

اس اشتہار میں مرزا غلام احمد نے خاص انداز سے احناف اور اہل حدیث علما کو باہم لڑانے کی کوشش کی ہے تاکہ وہ مشترکہ حریف کو فراموش کر دیں۔ پھر بحث کا موضوع حیات و وفات مسیح رکھا ہے۔ اس موضوع کا مرزا غلام احمد کی مسیحیت سے کیا تعلق ہے۔ اگر مسیح ابن مریم فوت ہو چکے ہیں تو اس سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ مرزا صاحب ہی مسیح موعود ہیں، کیونکہ یہ ایک الگ موضوع ہے اور مناظرہ ہونا بھی اسی موضوع پر چاہیے تھا۔ لیکن مرزا غلام احمد نے خود ہی مناظرے کا عنوان طے کیا اور خود ہی اپنے سابقہ اشتہار ۲ اکتوبر میں شرائط بھی طے فرما دیں اور پھر چیلنج کیا کہ آؤ میرے منتخب کردہ موضوع پر میری شرائط کے مطابق مناظرہ کرو۔ کیا مناظرے کے یہی قواعد ہوتے ہیں۔ اگر مرزا صاحب مناظرہ کرنے میں سنجیدہ تھے تو موضوع اور شرائط کا انتخاب فریقین کے مشورے سے ہونا چاہیے تھا۔ تاہم ۷ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو مولانا محمد حسین بٹالوی نے جوابی اشتہار شائع کیا جو یوں ہے:

" ہمیں آپ کی تمام شرائط منظور ہیں۔ چونکہ آپ نے مجھے اور میاں صاحب (نذیر حسین) کو مقابل ٹھہرایا ہے اور ظاہر ہے کہ مباحثے کے دوران ایک وقت میں ایک ہی آدمی بول سکتا ہے، اگر آپ خاکسار کو خاموش کر دیں تو میاں صاحب بھی میدان میں آجائیں گے۔ ورنہ انھیں کیا ضرورت ہے میدان میں آنے کی۔ کیونکہ شاگردوں کے ہوتے ہوئے ایک شیخ الکل اور امام وقت کو یہ زیبا نہیں کہ آپ جیسوں کو اپنا مخاطب بنائے،

---

[۱۶] منقول از تبلیغ رسالت۔ مجموعہ اشتہارات۔ جلد ۲

آپ ۱۱ اکتوبر ۹ بجے دن چاندنی محل میں تشریف لے آئیں"۔

دوسری طرف مولانا عبدالحق نے بھی مرزا صاحب کی کذب بیانی کا پردہ چاک کیا کیونکہ ان کے پاس جاکر مرزا صاحب نے کہا تھا کہ میں صرف غیر مقلدین سے مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس لیے آپ میدان سے ہٹ جائیں بلکہ اشتہار میں مولانا عبدالحق کے میدان میں ہٹنے کی وجہ یہ بیان کی کہ وہ گوشہ نشین آدمی ہیں وغیرہ۔ مولانا عبدالحق نے جو اگرچہ مقلد تھے لیکن سید نذیر حسین کے شاگرد تھے، مرزا غلام احمد کو لکھ دیا کہ میں بھی چاندنی محل ہی میں مولانا بٹالوی والے وقت آجاؤں گا اور وہاں اکٹھے گفتگو ہوگی۔

۱۱ اکتوبر ۹ بجے دن چاندنی محل میں مناظرے کے انتظامات کر دیے گئے۔ مولانا محمد حسین بٹالوی اور مولانا عبدالحق بے شمار دیگر علماء و فضلا کی معیت میں وہاں پہنچے، لیکن مرزا غلام احمد نہ آئے۔ بعد میں کہا کہ میں تو صرف سید نذیر حسین سے بات کروں گا۔ اس پر اسی روز میاں صاحب نے فرمایا کہ چلو میں خود ہی آجاتا ہوں۔ اسی روز چاندنی محل میں دوسرے جلسے کا انتظام ہوا۔ میاں صاحب تشریف لے آئے لیکن مرزا غلام احمد پھر بھی نہیں آئے۔

مناظرے میں آنے کی بجائے انھوں نے ۱۷ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو ایک نیا اشتہار جاری کر دیا جس کی عبارت یوں ہے:

"میاں صاحب درس قرآن و حدیث میں ریش و بروت سیاہ کر بیٹھے ہیں مگر آپ کو کسی استاد نے حقیقت تک نہیں پہنچایا۔ آپ کو شرم ہونی چاہیے کہ شیخ الکل کا دعویٰ اور مسیح کو قرآن و حدیث کی رو سے زندہ سمجھتے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ آپ کس بات کے شیخ الکل ہیں۔ اگر بحث نہیں چاہیے تو ایک مجلس میں میرے دلائل وفات مسیح سن کر تین مرتبہ قسم اٹھائیں کہ یہ درست نہیں"[۱۲]

مرزا غلام احمد عجیب مزاج کے انسان تھے۔ میدان مناظرہ میں آتے بھی نہیں تھے اور ساتھ ساتھ کہتے بھی جاتے تھے کہ فریق مخالف میدان کا رخ نہیں کر رہا۔ حالانکہ مسلمانوں کی طرف سے مولوی محمد حسین بٹالوی آئے، مولانا عبدالحق آئے، میاں نذیر حسین آئے۔ نہیں آئے تو مرزا صاحب خود نہیں آئے لیکن الزام پھر بھی دوسروں

---

۱۲ تبلیغ رسالت۔ مجموعہ اشتہارات، ج ۲، ص ۸-۳۷

کو دیا جا رہا ہے۔

مرزا غلام احمد کے اس تازہ اشتہار کے بعد باہمی فیصلہ ہوا کہ ۲۰ اکتوبر ۱۸۹۱ء بعد از نماز عصر جامع مسجد دہلی میں مجلس منعقد ہوگی جس میں مرزا غلام احمد وفات مسیح پر اپنے دلائل دیں گے اور میاں صاحب انہیں سن کر حلفاً ان کی تردید کریں گے۔

۲۰ اکتوبر کو میاں صاحب جامع مسجد پہنچے۔ مرزا غلام احمد بھی اپنے بارہ حواریوں کے ساتھ آئے، دونوں فریق مسجد کے ایک ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ انگریز پولیس افسر بھی وہاں موجود تھا۔ میاں صاحب کے کہنے پر نواب سعید الدین، مولوی عبد المجید اور سید بشیر حسین انسپکٹر پولیس مرزا غلام احمد کے پاس گئے اور پوچھا کہ اگر آپ کے دلائل سن کر میاں صاحب نے ان کے غلط ہونے کا حلف اٹھا لیا تو آپ اپنے عقائد سے کب توبہ کریں گے؟ مرزا غلام احمد خاموش رہے۔ تاہم ان کے ایک حواری نے ان کی طرف سے جواب دیا کہ ایک سال بعد تائب ہو جائیں گے۔ انگریز پولیس افسر ہنس کر کہنے لگا کہ یہ کیا بات ہوئی جو کچھ ہوا بھی ہو ورنہ اس مجلس کے انعقاد کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن مرزا غلام احمد نہ مانے اور کہا کہ ہم حیات و وفات مسیح پر بحث کرنا چاہتے ہیں، گویا جس کام کے لیے میاں صاحب کو بلایا گیا تھا وہ باقی نہ رہا تو بحث کے لیے نواب سید سلطان مرزا نے مولانا محمد حسین بٹالوی کو پیش کر دیا۔ مرزا غلام احمد نے مولانا بٹالوی کو دیکھ کر بحث سے بھی انکار کر دیا، اس پر انگریز پولیس افسر نے جلسہ برخواست ہونے کا اعلان کر دیا۔

یہ روئیداد مرزا محمود (جو احمدیوں کے خلیفہ دوم ہیں) کی زبانی سنیے، فرماتے ہیں "سب سے پہلے آپ لدھیانہ گئے اور یہاں ارد گرد سے علما نے اکٹھے ہو کر لوگوں کو خوب اکسایا، مگر ڈپٹی کمشنر نے ان کے سردار (مولانا بٹالوی) کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا . . . پھر آپ دہلی گئے جو اس وقت دار الخلافہ ہے اور وہاں ہندوستان کے مولویوں کا جو سردار تھا اسے آپ نے بالمقابل ٹھہرایا کہ وہ قسم کھا کر یہ اعلان کر دے کہ کیا فی الواقع حضرت عیسیٰ اب تک زندہ موجود ہیں اور اس کے لیے جامع مسجد دہلی مقرر کی گئی۔ وقت مقررہ پر ہزارہا لوگ آ گئے اور بہت سے اپنی جھولیوں میں پتھر لائے اور بعض سونٹے لائے اور بعض چھریاں اپنے ہاتھ میں لائے، اور لوگوں نے شور مچایا کہ مسیحیت کا مدعی زندہ نہ جائے، اور اتفاق یہ ہوا کہ اس وقت مسیح کی طرح آپ کے ساتھ بھی صرف بارہ مرید تھے، مگر ان لوگوں نے قابلِ رشک نمونہ دکھایا اور ہر شخص یہ خواہش کرتا تھا کہ

کاش آج ہم خدا اور رسول کی راہ میں مارے جائیں، اور جب لوگوں نے بجائے مولوی کو قسم کھانے پر مجبور کرنے کے بلوہ کر کے آپ کو قتل کرنا چاہا تو ان بارہ مریدوں نے آپ کے گرد حلقہ بنالیا اور وہ خدا کے شیر دل سپاہی ان لوگوں سے جن کی تعداد دس ہزار سے بھی زیادہ تھی خائف نہ ہوئے اور نہ ان کے ہتھیاروں سے ڈرے۔ مگر سپرنٹنڈنٹ پولیس ایک سو سپاہیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس نے لوگوں میں سے راستہ بنایا اور سپاہیوں کے حلقہ میں آپ کو باہر نکال لایا اور نہایت مشکل سے آپ کو گاڑی پر بٹھا کر گھر پہنچایا۔[۱۸]

مرزا صاحب گھر تو پہنچ گئے لیکن چونکہ ابھی دہلی میں ہی تھے اور دیگر علما بھی وہاں موجود تھے اس لیے معاملہ ختم نہ ہوا۔ چیلنج بازی ہوتی رہی، جس کے نتیجے میں مرزا غلام احمد نے واضح طور پر کہہ دیا کہ میں مولوی محمد حسین بٹالوی سے مناظرہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ اس لیے اہلِ دہلی نے سید نذیر حسین کے ایک اور شاگرد مولانا محمد بشیر سہسوانی کو بھوپال سے بلا بھیجا، وہ فوراً چلے آئے اور مرزا غلام احمد سے انہی کی شرائط پر تحریری مناظرے کا آغاز کر دیا۔ ابھی بحث کسی نتیجے پر نہیں پہنچی تھی، تاہم یہ محسوس کر کے کہ مولانا محمد بشیر کا پلہ بھاری ہوتا جا رہا ہے مرزا غلام احمد اپنے خسر کی بیماری کا بہانہ کر کے قادیان واپس چلے آئے اور پھر عمر بھر دہلی نہ جا سکے۔

اوپر جو کچھ بیان ہوا ہے یہ تحریک ختم نبوت کے ضمن میں ۱۸۹۱ء کے دوران ہونے والے واقعات ہیں۔

اب ہم ۱۸۹۲ء میں داخل ہوتے ہیں۔

فتویٰ تکفیر

تحریک ختم نبوت میں ۱۸۹۲ء کا سال اس لیے بھی سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے کہ اس سال کے دوران میں دوسری سرگرمیوں کے علاوہ دنیائے اسلام میں پہلی مرتبہ مرزا غلام احمد کے عقائد و نظریات کا پوری دقتِ نظر اور احتیاط سے جائزہ لے کر ان پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔ یہ فتویٰ تکفیر مولانا محمد حسین بٹالوی کے ایک سوال کے جواب میں میاں نذیر حسین دہلوی نے دیا تھا اور ہند کے بے شمار علما نے تائیدی دستخط ثبت فرمائے تھے۔ یہ فتویٰ ۱۸۹۲ء کے آخر میں جاری ہو چکا تھا جیسا کہ مرزا غلام احمد کے ۳۱ دسمبر ۱۸۹۲ء کے ایک خط بنام مولانا محمد حسین بٹالوی سے بھی ظاہر ہوتا ہے جو درج ذیل ہے۔

---

[۱۸] مرزا بشیر الدین محمود، تحفہ شاہزادہ ویلز۔ ص ۴۵

"میں افسوس سے کہتا ہوں کہ میں آپ کے فتوئ تکفیر کی وجہ سے جس کا یقینی نتیجہ احد الفریقین کا کافر ہونا ہے اس خط میں سلام مسنون سے ابتدا نہیں کر سکا۔" ان الفاظ کے بعد مرزا صاحب کا قلم بے قابو ہو گیا اور لکھا "اے شیخ نامہ سیاہ اس دروغ بے فروغ کے جواب میں کیا لکھوں اور کیا کہوں۔ خدا تعالیٰ تجھ کو آپ ہی جواب دیوے کہ اب تو حد سے زیادہ بڑھ گیا ہے۔"[۱۹]

میاں نذیر حسین دہلوی کا یہ فتویٰ مولانا محمد حسین نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ[۲۰] میں شائع کیا جو تقریباً دو صد صفحات پر محیط ہے۔ (اس طرح کا ایک مختصر فتویٰ میاں صاحب کے فتاویٰ نذیریہ[۲۱] میں بھی موجود ہے)۔ اس فتوے نے تمام علمائے ہند کے قلوب و اذہان میں مسئلے کی حیثیت و اہمیت واضح کر دی تھی۔

خود مرزا غلام احمد کو بھی اس بات کا اقرار ہے کہ فتوئ تکفیر نذیر حسین دہلوی نے دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "وہ فتویٰ جو ہماری (مرزا غلام احمد) تکفیر میں رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۵ جلد ۱۳ میں شائع ہوا، اس کے راقم اور استفتا کے مجیب یہی شیخ الکل (نذیر حسین) ہیں۔"[۲۲]

ایک اور جگہ لکھا ہے: "مولوی محمد حسین نے یہ فتوئ تکفیر لکھا اور میاں نذیر حسین دہلوی سے کہا کہ سب سے پہلے اس پر مہر لگا دے اور میرے (غلام احمد) کفر کی نسبت فتویٰ دے دے، اور تمام مسلمانوں میں میرا کافر ہونا شائع کر دے۔ سو اس فتویٰ اور میاں صاحب مذکور کی مہر سے بارہ برس پہلے یہ کتاب (براہین احمدیہ) تمام پنجاب اور ہند میں شائع ہو چکی تھی اور مولوی محمد حسین جو بارہ برس بعد اوّل المکفرین بنے، بانی تکفیر کے وہی تھے اور اس آگ کو اپنی شہرت کی وجہ سے تمام ملک میں سلگانے والے میاں نذیر حسین دہلوی تھے۔"[۲۳]

---

۱۹ مکتوبات احمدیہ۔ ج ۴، ص ۴۰

۲۰ نمبر ۵، ج ۱۳، ۱۸۹۳ء

۲۱ فتاویٰ نذیریہ، لاہور، ۱۹۷۱، ج ۱، ص ۸-۷

۲۲ مرزا غلام احمد۔ کتاب البریہ مصنفہ ۱۸۹۸ء، ص ۱۱۸

۲۳ مرزا غلام احمد۔ تحفہ گولڑیہ۔ مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان ۱۹۱۴ء، ص ۱۲۱

اسی طرح مرزا غلام احمد نے نزول المسیح میں اپنا ایک الہام درج کیا ہے جو ۲-۱۸۸۰ء میں ہوا تھا۔ ملاحظہ فرمایے :" اور یاد کر وہ زمانہ جبکہ ایک شخص تجھ سے مکر کرے گا کہ جو تیسری تکفیر کا بانی ہوگا اور اقرار کے بعد منکر ہو جائے گا۔ یعنی محمد حسین بٹالوی اور وہ اپنے رفیق کو کہے گا یعنی مولوی نذیر حسین دہلوی کو کہ اے ہامان میرے لیے آگ بھڑکا یعنی کافر بنانے کے لیے فتویٰ دے۔"[۲۴]

یہ الہام اس وقت کا ہے جب مرزا غلام احمد اپنے دعاوی کا آغاز کر رہے تھے اور ان کے بقول انہیں اسی وقت معلوم ہو گیا تھا کہ ان کے خلاف پہلا تیر کس جانب سے آئے گا۔

سید نذیر حسین کے اس فتوے سے نہ صرف علمائے اسلام نے استفادہ کیا بلکہ دیگر مذاہب کے اہل علم نے بھی مرزا غلام احمد کے ساتھ بحث و مناظرہ میں اس سے مدد لی ہے جیسا کہ مرزا غلام احمد کی درج ذیل عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

" بعض دوست اندیشہ نہ کریں کہ ممکن ہے شیخ محمد حسین بٹالوی جو عوام میں مولوی کر کے مشہور ہے، اس وقت بھی ہمارے رسالے کے شائع ہونے پر بالمقابل عربی رسالہ بنانے میں عیسائیوں کی ایسی ہی مدد کرے گا جیسا کہ اس نے جون ۱۸۹۳ء میں ہمارے مباحثہ کے وقت پوشیدہ طور پر ان کی مدد کی تھی اور اپنے اشاعۃ السنہ کا فتویٰ بھیج دیا تھا۔"[۲۵]

اور پھر اس فتوے کا نام لے کر کس طرح انگریز حکومت کو مسلمان علما کے خلاف ابھارا ہے۔ ملاحظہ ہو:

" اور جو فتویٰ تکفیر نذیر حسین دہلوی کی طرف سے اس عاجز کی نسبت شائع ہوا ہے اور جو اشتہار تکفیر اس فتوے پر زور دینے کے لیے اس عبد العزیز مولوی (لدھیانوی) اور اس کے بھائیوں کی طرف سے نکلا ہے ان کاغذات کو اگر کبھی گورنمنٹ غور سے دیکھے تو ثابت ہوگا کہ یہ سب لوگ درحقیقت ایک ہی ہیں۔ ایک خونی مہدی اور خونی مسیح کے دن رات منتظر ہیں۔ سول ملٹری گزٹ کی کس قدر سادہ لوحی ہے کہ جو شخص ایسے خیالات کو مٹانا چاہتا ہے اور صلح کاری کی بنیاد ڈالنے والا ہے اس کو مفسد قرار دیتا ہے اور مفسدوں کے

۲۴۔ مرزا غلام احمد نزول المسیح۔ مطبوعہ ۱۹۰۹ء، ص ۱۵۲

۲۵۔ مجموعہ اشتہارات مسیح موعود، ج ۲، ص ۲ ماخوذ از اشتہار بمقابلہ پادری عماد الدین شائع شدہ ۱۸۹۳ء

خیالات سے بے خبر ہے۔[۲۶]

ان حوالہ جات سے ہمارا مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ مرزا غلام احمد کے خلاف پہلا فتویٰ تکفیر جو ۱۸۹۲ء میں جاری ہوا وہ سید نذیر حسین دہلوی نے دیا تھا اور باقی علمائے ہند نے اس معاملے میں ان کا اتباع کیا تھا اور اپنے تائیدی دستخط فرمائے تھے۔ حوالہ جات کے اس سلسلے کی آخری کڑی کے طور پر ہم مرزا غلام احمد کی ایک اور عبارت نقل کیے دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

چونکہ علمائے پنجاب اور ہندوستان کی طرف سے فتنہ تکفیر و تکذیب حد سے زیادہ گزر گیا ہے اور یہ فقط علما بلکہ فقرا اور سجادہ نشین بھی اس عاجز کے کافر اور کاذب ٹھہرانے میں مولویوں کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں" ایسا ہی ان لوگوں کے اغوا سے ہزارہا ایسے لوگ پائے جاتے ہیں کہ وہ ہمیں نصاریٰ اور ہنود سے بھی اکفر سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اس تمام تکفیر کا بوجھ نذیر حسین دہلوی کی گردن پر ہے مگر تاہم دوسرے مولویوں کا یہ گناہ ہے کہ انھوں نے اس نازک امر تکفیر میں اپنی عقل اور اپنی تفتیش سے کام نہیں لیا بلکہ نذیر حسین کے دجالانہ فتویٰ کو دیکھ کر جو محمد حسین بٹالوی نے طیار کیا تھا بغیر تحقیق و تنقیح کے ایمان لے آئے ہیں۔ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ اس نالائق نذیر حسین اور اس کے ناسعادت مند شاگرد محمد حسین کا یہ سراسر افترا ہے کہ ہماری طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں کہ گویا ہمیں معجزات انبیا سے انکار ہے یا ہم خود دعویٰ نبوت کرتے ہیں۔"[۲۷]

بہرحال مرزا صاحب کا دعویٰ مسیحیت ۱۸۹۱ء میں منظر عام پر آیا تھا۔ جن لوگوں نے اس دعوے کے فوراً بعد مرزا صاحب کا تعاقب شروع کر کے ہر موقعے پر عوام الناس اور علمائے اسلام کو اس فتنے سے باخبر کیا، وہ درحقیقت تحریک ختم نبوت کے بانی ہیں اور یہ اعزاز مولانا محمد حسین بٹالوی اور ان کے استاذ گرامی سید نذیر حسین محدث دہلوی کو مشترکہ طور پر حاصل ہوا ہے۔

---

۲۶ مجموعہ اشتہارات مسیح موعود۔ ج ۲، ص ۱۲۸ ماخوذ از اشتہار۔ ۱۲ ستمبر ۱۸۹۴ء

۲۷ مرزا غلام احمد۔ انجام آتھم۔ مطبوعہ ۱۸۹۷ء، ص ۴۵ ماخوذ از اشتہار شائع کردہ ۱۸۹۷ء (اغلباً)